© rasailojaraid.com

دورِ حاضر میں 'تفسیر بالاشارہ'

کنور محمد یوسف امین

دور حاضر میں عام ہونے والی عقلیت پسندی (Rational Outlook) مذہب کے مروّجہ بیان سے بے اطمینانی پیدا کر رہی ہے۔ عقلیت کا تقاضہ ہے کہ ہر دعویٰ کو منظّم اور علمی بیان کے طور پر پیش کیا جائے' نیز اسکے اسباب بھی بیان کیے جائیں۔ جبکہ مذہب کا مروجہ بیان' خاص کر بنیادی مذہبی امور' یعنی خدا وندقدوس اور غیبی امور کا بیان' اس شکل میں پیش نہیں کیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے مغربی تعلیم یافتہ طبقہ اسلام، خاص کر اسلامی عقائد کے متعلق عدم اطمینان کا شکار ہو رہا ہے۔ لیکن، گو یہ بات مستبعد لگے، یہ بھی حقیقت ہے کہ یہی عقلیت پسندی یقین و معرفت کا ایک سہارا بننے کی استعداد بھی رکھتی ہے۔

اگر وجود و صفاتِ باری تعالیٰ اور غیبی امور کو علمی طور پر پیش کیا جائے تو آج کا ذہن ان امور پر گہرا اطمینان حاصل کر کے ایمان و یقین کی منزلیں طے کر سکے گا۔ خداوند قدّوس کی ذات' صفات اور افعال کا سب سے زیادہ اطمینان بخش علمی بیان تفسیر کی اس صنف سے حاصل ہوتا ہے جسے 'تفسیر بالاشارہ' کہا جاتا ہے۔ لیکن کچھ مغربی فکر کے اثرات اور دباؤ اور کچھ خود ہمارے اپنے ذہنی رویّوں کی بدولت، تفسیر کا یہ پہلو نہ صرف کالمعدوم ہو رہا ہے بلکہ اسکو ناپسندیدہ اور بالقصد ترک کیے جانے کا مستحق سمجھا جا رہا ہے۔

ان حالات میں یہ ضروری محسوس ہوا کہ 'تفسیر بالاشارہ' کی وضاحت کی جائے اس کی بڑھی ہوئی ضرورت سمجھی جائے' بیسویں صدی کی اہم اردو تفاسیر میں اس کا کیا حصّہ ہے معلوم کیا جائے اور اس سے عدم التفات کے اسباب کو دریافت کیا جائے، نیز اس کی بازیافت کے وسائل کو مشخص کیا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیگر تفسیری مناہج کی طرح تفسیر بالاشارہ بھی عملاً وجود میں پہلے آئی اور نام نیز تعریف بعد میں حاصل کی۔ سہل تستریؒ (م ۲۸۳ھ) کی تفسیر اس کا ایک اولین نمونہ فراہم کرتی ہے[۱]۔ پھر اس طرز تفسیر کو اختیار کرنے والوں نے اس کا تجزیہ و تعریف پیش کی اور اس کے حق بہ جانب ہونے کے دلائل پیش کیے، جن میں اس صنف کا صحابہ کرامؓ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تفسیری اقوال میں شامل ہونا دکھایا گیا۔ اس تعریف و تصدیق کی ابتدائی اور مہتم بالشان مثال امام غزالیؒ کی تصانیف میں ملتی ہے[۲]۔

'تفسیر بالاشارہ' قرآن کریم کے موضوع اور مضامین نیز ان مضامین کی دریافت کے وسیلہ سے متعلق ایک واضح موقف پر استوار ہے۔ قرآن کریم کا اعلیٰ اور حتمی موضوع اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال کے گہرے اور مربوط بیان پر مشتمل ہے۔ مزید براں' اس میں کائنات، ملائکہ اور جن و انس کی تخلیق، بقاء اور خداوند قدوس کی طرف مراجعت کی روحانی حقیقت بھی شامل ہے۔ یہ بیان قرآن کریم کی اولین سطح پر کم' اور گہرائیوں میں زیادہ ہے۔ اس بیان کی دریافت کا وسیلہ عام مطالعاتی مناہج سے زیادہ وجدانی ادراک ہے۔ 'تفسیر بالاشارہ' اسی گہرے روحانی بیان اور اس کے بنیادی طور پر وجدانی طریقہ کشف کا نام ہے۔

ہر علم یا بیان کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے۔ مثلاً جغرافیہ کے بیان کا ایک بڑا حصہ سمتی نسبتوں (Directional Relations) اور نقشوں سے ترتیب پاتا ہے۔ اسی طرح 'تفسیر بالاشارہ' کی زبان کا بڑا حصہ' وجود کے مختلف درجات کے علامتی توافق (Symbolical Correspondences) پر مشتمل ہے۔ مادّی کائنات، عالم روحانیت اور حقیقتِ مطلقہ (Ultimate Reality) یعنی خداوند قدوس' ان تینوں درجاتِ وجود' کے درمیان علامتی توافق (Symbolical Correspondence) موجود ہے۔ مادی کائنات (Macrocosm)' کی مختلف اشیاء' نیز انسان اور اس کی تاریخ (Microcosm) کے مختلف پہلو' روحانی حقیقت' اور اس سے آگے بڑھ کر حقیقتِ مطلقہ کے مختلف پہلوؤں کی علامت (Symbol) ہیں۔ قرآن کریم کی آیات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی روحانی اور الوہی (Divine) حقائق کی علامت ہیں۔ مزید براں قرآنی آیات ایک علامتی انداز سے یہ بھی بتاتی ہیں کہ کائناتی مشاہدات کی علامتی حقیقت کیا ہے۳۔

مادّی کائنات یا عالم ناسوت کی اشیاء' نیز قرآنی آیات' علامات ان معنی میں ہیں کہ وہ روحانی اور الوہی حقائق کی صورت (form) ہیں، جس طرح کہ مستقبل کے واقعات خواب میں ایک خاص صورت اختیار کر کے نظر آتے ہیں۔ امام غزالیؒ 'جواہر القرآن' میں فرماتے ہیں کہ جس طرح خواب میں نظر آنے والی صورت کے معنی ''تعبیر'' کے ذریعہ معلوم ہوتے ہیں، اسی طرح قرآن کریم کی آیات کی صورت میں پنہاں روحانی اور الوہی حقائق، 'تاویل' کے ذریعہ معلوم کئے جاتے ہیں۴۔ کائناتی اشیاء اور قران کریم کی آیات کن روحانی یا الوہی حقائق کی علامت ہیں' یہ بات ابتدائی طور پر تو اللہ تعالیٰ کے ان مقرب بندوں کو کشفی طور پر معلوم ہوتی ہے جو کہ اعلیٰ پائے کی وجدانی صلاحیت رکھتے ہیں' لیکن جب ایک مرتبہ یہ علامتی اشارے مرتب ہو جاتے ہیں تو عام استعداد رکھنے والے مفسرین بھی ان کی مدد سے 'تفسیر بالاشارہ' انجام دے سکتے ہیں۔

'تفسیر بالاشارہ' انجام دینے میں نظمِ قران کو بھی گہرا دخل ہے۔ اسکی بہت مثالیں ہیں۔ مولانا محمد فاروق خاں صاحب نے سورہ نور کی آیات ۳۵۔۴۰ کی جو تفسیر معنوی انجام دی ہے اس میں نظمِ قران کے استعمال کی مثال موجود ہے۵۔

'جواہر القرآن' ہی میں امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ عقلی بنیادوں پر چیزوں کو سمجھنے کا رجحان رکھنے والا شخص قُرآن کریم کی محض اولین سطح یا ظاہر کی تفسیر سے خدا اور غیب کے متعلق شک میں پڑ جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آیات کی محض اوّلین سطح تک محدود بیان پوری حقیقت کا احاطہ نہیں کرتا، بلکہ غیر مکمل ہوتا ہے۔ لیکن اگر 'تاویل' کے ذریعہ اولین سطح کے پیچھے پھیلے ہوئے حصے تک رسائی حاصل کی جائے تو پوری بات سامنے آتی ہے اور عقلی اطمینان حاصل ہوتا۔ اس طرح تفسیر بالاشارہ غیبی امور کا مربوط علمی بیان دے کر عقلیت پسندوں کو یقین اور معرفت کی دولت سے نوازتی ہے۔ دور حاضر میں عقلیت پسندی کا رجحان بڑھا ہے اسلئے علمی توجیہ کی طلب رکھنے والوں کو بے یقینی اور تشکیک کی ہلاکت خیزی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے نہ صرف بچانے' بلکہ انکی عقلیت پسندی کو غیب پر ایمان لانے کا وسیلہ بنانے کے لئے "تفسیر بالاشارہ" کے عنصر کو زیادہ بروئے کار لانے اور مسلمانوں کے درمیان ہی نہیں، دعوتی غرض سے غیر مسلموں کے سامنے بھی زیادہ بڑے پیانے پر پھیلانے کی ضرورت ہے۔

اس مقالہ میں بیسویں صدی کی بعض اردو تفاسیر کے اندر تفسیر بالاشارہ کے عنصر کو معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان میں صرف مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی تفسیر 'بیان القرآن' میں تفسیر بالاشارہ کو شعوری اور منظم طور پر اختیار کیا گیا ہے۔ امام فراہیؒ کے 'مقدمہ تفسیر نظام القرآن' اور کسی حد تک مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی تفسیر 'تدبر قرآن' میں تفسیر بالاشارہ کے اجزاء اور عناصر نظر آتے ہیں۔ چنانچہ امام فراہیؒ نے 'مقدمہ تفسیر نظام القرآن' میں قرآنی تعلیم کے اصولی مسائل کا ذکر کرتے ہوئے، توحید کے ضمن میں مسئلہ وحدۃ الوجود* کا ذکر صراحت کے ساتھ کرتے ہیں۔[٦] 'تفسیر بالاشارہ' کا بنیادی وسیلہ وجدانی ادراک ہے جس سے نوازے جانے کا پیش خیمہ اور مقدمہ تزکیہ نفس ہے۔ امام فراہیؒ نے اپنے تفسیری مقدمہ میں سقراط، مولانا رومؒ اور خواجہ حافظؒ کے حوالے سے بات کرتے ہوئے قرآن کریم کے حقیقی مدلول تک پہنچنے کے لئے نفس کے جلا اور صفائی کی ضرورت کا ذکر کیا ہے**۔[٧] یہاں یہ کہنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ امام غزالیؒ[٨] اور شاہ ولی اللہؒ[٩] دونوں نے تفسیر بالاشارہ کے وسائل میں نظم قرآن کے درک کو بیان کیا ہے۔ اس لئے وسیلہ تفسیر کے دلدادہ کا تفسیر بالاشارہ کے اجزا سے وابستہ ہونا کچھ زیادہ تعجب خیز نہیں ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے بھی تدبر قرآن کے مقدمہ میں تزکیہ نفس کے وسیلہ فہم قرآن ہونے پر بہت زور دیا ہے۔[١٠] نیز قرآن کریم اور آفاق وانفس کے مظاہر کے درمیان تفاوق کے اصول کو بھی استعمال کیا ہے۔ چنانچہ مقدمہ میں سورتوں کے زوج زوج ہونے پر مخلوقات کے زوج زوج ہونے سے استشہاد کیا ہے۔[١١]

بیسویں صدی کی اردو تفاسیر میں تفسیر بالاشارہ کے منظم اور متفرق اظہار کی مندرجہ بالا مثالوں کے علاوہ خاموشی ہی چھائی ہوئی ہے۔ اسکے اسباب کو تلاش کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ جیسا کہ بال یون (Baljon) نے جدید تفسیر کے جائزہ میں کہا ہے'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عصری مفسرین کا منہج غالب طور پر عملی (Pragmatic) اور سماجی ہے۔ قران کریم کی تفسیر کرتے ہوئے' ان کی توجہ زیادہ تر سماجی اور عملی معاملات پر رہتی ہے[۱۲]۔ چنانچہ عرفان و معرفت' اور اس سے خصوصی طور پر متعلق 'تفسیر بالاشارہ' کا عنصر ان کے یہاں بہت دبا ہوا یا غیر موجود ہے۔ مزید براں' تصوف سے بے اطمینانی نے بھی 'تفسیر بالاشارہ' کا ذوق کم کیا ہے۔ لیکن یہاں یہ بات سمجھنی چاہیے کہ وحدت الوجود یا تصوف کے کسی اور مسئلہ سے اختلاف کا مطلب یہ نہیں ہیں کہ روحانی مضامین کے حصول کے امکان اور کشف کے وسیلہ علم ہونے سے مطلق طور پر انکار کر دیا جائے۔ چنانچہ علوم القران کے شہرہ آفاق ترجمان' علّامہ سیوطی ؒ جن کا تصوّف سے کوئی خصوصی تعلّق نہ تھا' انہوں نے 'تفسیر بالاشارہ' کو بعض شرائط کے ساتھ قرآن کریم کی تفسیر کا ایک قابلِ قبول ذریعہ قرار دیا ہے[۱۳]۔ ان کی بیان کردہ شرائط تمام اہلِ سنت کو تسلیم ہیں اور ان شرائط کا اصل الاصول یعنی معنوی تفسیر کے ساتھ قرآن کریم کے ظاہری، منقول اور محکم معانی کو بھی ماننا، اسکو امام غزالیؒ نے بھی تسلیم کیا ہے۔

تفسیر بالاشارہ سے عدم التفات کی ایک اور وجہ یہ خیال بھی ہے کہ یہ تفسیر قرآن کریم کی آیات سن کر یا پڑھ کر پیدا ہونے والی عبرتوں اور احساسات کا نام ہے جن کی کتاب اللہ میں کوئی لفظی بنیاد نہیں ہوتی ہے۔ یہ درست ہے کہ اس نوع کی تفسیر کے نئے مضامین ابتداً لغوی، نحوی، یا اثری مطالعہ سے نہ پیدا ہو کر قلب میں وارد ہوتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے بعد اس مضمون کی تائید قرآن کریم کے مطالعہ کے معروف ذرائع، مثلاً، نظم قرآن وغیرہ سے نہیں ہوتی۔ اس نوع کے تحت مذکور مضامین کا بڑا حصہ قرآن کریم سے لفظی طور پر مدلل و متعلق ہے۔ مضمون کا ابتداءً وجدانی طور پر حاصل ہونا اُسے معروضی طور پر قرآن کریم سے غیر متعلق نہیں بناتا۔ حقیقت یہ ہے کہ لغوی، نحوی یا اثری بنیادوں پر بیان کی گئی تفسیر کا ابتدائی خیال بھی عام طور سے وجدانی طور پر ہی آتا ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ مزید چھان بین' قرانی الفاظ کو اُن کا ساتھ دیتے ہوئے دکھاتی ہے یا نہیں۔ جیسا کہ عرض کیا گیا 'تفسیر بالاشارہ' کے مشمولات کا بہت بڑا حصہ قرآن کریم کی لفظی تائید، خاص کر نظم قرآن کی روشنی میں وضاحت پذیر ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''تفسیر بالاشارہ'' کے جو مضامین بظاہر لفظی تائید نہیں رکھتے' اُن کو بھی قرآن کریم سے لازماً غیر متعلق نہیں کیا جا سکتا۔ شاہ ولی اللہؒ دہلوی نے 'الفوز الکبیر' میں ''تفسیر بالاشارہ'' کے ثبوت میں یاد دلایا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے تعبیرِ رویاء کے فن کو معتبر قرار دیا ہے، جہاں خواب کے واقعات اور اُن کے معنی میں کوئی صوری اشتراک نہیں ہوتا۱۴۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے ایسی تفسیر جس کی ظاہری لفظی بنیاد نہ ہو، لیکن جو امام غزالیؒ علامہ ابن قیمؒ وغیرہ کی بیان کردہ شرائطِ صحت پر پوری اترتی ہو، وہ لازماً اور اصولاً رد کیے جانے کی مستحق قرار نہیں دی جا سکتی۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرانی آیات کا مدلول ظاہر بھی ہوسکتا ہے اور پوشیدہ بھی۔ اگر ظاہر ہو، جیسا کہ بیشتر ہوتا ہے، تو قائل کا موقف زیادہ قابلِ قبول ہے۔ اگر ظاہر نہ ہو، اور مستتر مانا جائے، لیکن دیگر تفسیری شرائط پر پورا اترتا ہو، مثلاً معنیٰ کے لحاظ سے درست ہونا، آیت کے ظاہری معنیٰ سے متعارض نہ ہونا وغیرہ، اس صورت میں اسکی درستگی کو یقینی نہیں لیکن محتمل سمجھا جائے گا۔

''تفسیر بالاشارہ'' سے سرد مہری پیدا کرنے میں مغرب کی مادہ پرستانہ، یا کم از کم لاادری (Agnostic) جہاں بینی کے تحت الشعوری اثرات کو بھی دخل ہو سکتا ہے۔ حقیقت کے غیر مادی اور روحانی پہلو کو سب سے زیادہ شد و مد کے ساتھ ماننے اور مرکزی اور اساسی طور پر برتنے کی ضرورت غالباً 'تفسیر بالاشارہ' میں ہی ہوتی ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا اس نوعِ تفسیر کے بیانئے اور پیرائے کی بنیاد عالمِ ناسوت، عالمِ ملکوت اور حقیقت مطلقہ کے توافق (Correspondence) پر ہے، جس کے مطابق کائنات کی ہر شئے کسی بالاتر حقیقت کی صورت اور علامت ہے۔ غیب اور روحانیت کا اتنا اساسی (Radical) اثبات کسی اور علم میں نہیں ہے۔ نتیجتاً یہ علم مغربی جہاں بینی سے متاثر فکر و نظر کے لیے سب سے زیادہ نا قابل فہم اور نا قابلِ قبول ہے۔

'تفسیر بالاشارہ' کی بحالی، بلکہ ایک خیال کے مطابق اس کا وسیع تر استعمال ضروری ہے۔ اس نوعِ تفسیر کو پورے انشراحِ صدر کے ساتھ برتنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ عالم ناسوت، عالم ملکوت اور حقیقت مطلقہ کے توافق کو تسلیم کیا جائے اور مانا جائے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کائناتی مظاہر بلند تر حقائق کی علامات ہیں۔ نیز قرآنی آیات کی علاماتی تاویل کو ایک معتبر طریقۂ تفسیر تسلیم کیا جائے۔ یہ ممکن ہے کہ بعض لوگ اس سے متفق نہ ہوں، لیکن اس کی صحت کے احتمال کو کلیتاً رد نہ کیا جائے، جس طرح دوسرے مذاہب فقہ کے اجتہاد کو تسلیم تو نہیں کیا جاتا ہے لیکن درستگی کے احتمال کو کلیتاً خارج نہیں کیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اور امر کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ تفسیر، خواہ وہ کسی بھی نوع کی ہو، اس کے بارے میں بہت کچھ پہلے سے سمجھا جا چکا ہے اور کہا جا چکا ہے۔ فطری رویہ یہ ہونا چاہئے کہ دریافت شدہ امور کو نہ صرف تسلیم کیا جائے بلکہ اس بات پر خوشی محسوس کی جائے اور خداوند قدوس کا شکریہ ادا کیا جائے کہ جن تشریحات کی ہمیں احتیاج تھی ان کا یہ حصہ دریافت ہو چکا ہے۔ خوشی اس لحاظ سے اور زیادہ ہونی چاہئے کہ یہ تفسیر گزشتہ ادوار میں دریافت ہوگئی اور چوں کہ ہر وہ دور جو زمانہ نبوی کے قریب تر ہے اس میں بعید تر دور کے مقابلہ میں حق تک رسائی کا زیادہ امکان ہے، اس لیے اس کے درست ہونے کا زیادہ امکان ہے۔ 'تفسیر بالاشارہ' میں چونکہ قلبی استعداد کا زیادہ دخل ہے اس لئے یہاں قربِ نبوت کی اور زیادہ اہمیت ہے۔ چنانچہ 'تفسیر بالاشارہ' میں سابقہ تفسیری دریافتوں کا حصہ نسبتاً بہت زیادہ ہوگا۔ لیکن جدید مغرب کی عالم گیر ہو جانے والی گمراہیوں میں ایک یہ بھی ہے کہ ہر پرانی چیز ناقص اور قابل رد ہے اور کمال یہ ہے کہ ہر آن موجودہ چیزوں کو مسترد کیا جائے اور ان کی جگہ لینے کے لئے نئی نئی چیزیں ایجاد کی جائیں۔ 'تفسیر بالاشارہ' میں چونکہ پرانی دریافتوں کو زیادہ اہمیت دینی ہوگی' اس لیے اس نوعِ تفسیر کی بحالی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ نئی دریافت اور تشکیل جدید کی ضرورت کے شدید احساس سے نجات حاصل کی جائے اور سمجھا جائے کہ حصول حق کے لیے ایک ضروری اور معتدل تشکیل جدید کے ساتھ ساتھ چودہ سو سال کی عظیم دریافتوں کی تفہیم اور پیروی بھی ضروری ہے۔ چنانچہ دورِ حاضر کے بنیادی اور فروعی مسائل کے حل اور انفرادی اور اجتماعی زندگی کی نشوونما کے لئے دیگر روایتی علوم کی طرح' بلکہ ان سے کچھ زیادہ' ماضی میں مدون کی گئی تفاسیر بالاشارہ سے استفادہ از حد ضروری ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی ومراجع

1. Bowering G, *"The Mystical Vision of Existence in Classical Islam -The Qur'anic Hermeneutics of the Sufi Sahl Al-Tustari* (d.283 / 896)", Walter De Gruyter, Berlin & New York, 1980.

2. Abul Quassem, M, *"The Jewels of the Qur'an - Al-Ghazali's Theory"*, Kegan Paul International, London, 1977, pp.23-25.

3. Habil, A R *"Traditional Esoteric Commentaries on the Qur'an"*, Ed.Nasr SH, Islamic Spirituality Foundations, Routledge & Kegan Paul, 1987, pp.23-47.

۴۔ امام غزالی 'جواھر القران' المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ' المصر' ۱۳۵۲ھ' ص ۳۱۔

۵۔ مولانا محمد فاروق خاں' قران مجید کی معنوی تفسیر۔ بطن قران، مجلہ علوم القرآن، جلد۔۱، شمارہ ۔ ۱، جولائی تا دسمبر ۱۹۸۵، ص ۲۴۔

۶۔ مولانا امین احسن اصلاحی' 'مقدمہ تفسیر نظام القران' از امام حمید الدین فراہی' دائرہ حمیدیہ' مدرستہ الاصلاح' سرائمیر' اعظم گڑھ' طبع اوّل' ص ۲۶۔

۷۔ ایضاً ص ۴۶۔۴۷۔

8. Abul Quassem, p.70.

۹۔ شاہ ولی اللہ دہلوی' الفوز الکبیر فی اصول التفسیر' اردو ترجمہ از رشید احمد انصاری' مکتبہ برہان' دہلی' ص ۸۴۔

۱۰۔ مولانا امین احسن اصلاحی' تدبرِ قران۔ جلد اوّل' فاران فاؤنڈیشن' لاہور'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۸۳ء، ص ۳۹۔

۱۱۔ ایضاً ص ۲۶۔

12. Baljon, JMS, "*Modern Moslem Koran Interpretation* (1880-1960)", EJ Brill, Leiden, 1968, pp. 98-99.

۱۳۔(ا) جلال الدین السیوطی، 'الاتقان فی علوم القران' الجز الثانی' المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ' المصر' نوع ۷۸' ص ۱۸۴۔۱۸۵

۱۳۔(ب) جلال الدین السیوطی' 'الاتقان فی علوم القران' اردو ترجمہ ازمولانا محمد حلیم انصاری' اصح المطابع' کراچی' حصہ دوم' ص ۵۸۴۔۵۸۸۔

۱۴۔ شاہ ولی اللہ، محولہ بالا، ص ۸۴۔

* مولانا فراہی کے الفاظ یہ ہیں: "توحید کے کے ساتھ جبر وقدر اور وحدۃ الوجود کا تعلق ہے۔" اس میں توحید سے وابستہ نظری مسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا فراہی نے اپنی کوئی رائے نہیں دی ہے۔ ملاحظہ ہو مقدمہ نظام القرآن، ترجمہ امین احسن اصلاحی، دائرہ حمیدیہ، طبع اول، ص ٦٦۔ (ادارہ)

** مولانا فراہی کے الفاظ یہ ہیں: "سقرا کا قول مشہور ہے کہ نفس کو تمام حقائق معلوم ہیں لیکن اس پر نسیان طاری ہے۔ مولانا روم کا مقولہ ہے کہ اپنے نفس کی تاویل کرو، قرآن کی تاویل نہ کرو۔ خواجہ حافظ کا ارشاد ہے کہ سب سے بڑا حجاب تمہارا نفس ہے، اس کو دور کرو۔ ان باتوں کا کیا مطلب ہے؟ بہر حال ہمارا عقیدہ یہی ہے کہ قرآن نے ادائے مطلب کے لیے وہی اسلوب اختیار کیے ہیں جو سب سے واضح، سب سے زیادہ اقرب اور سب سے زیادہ خوبصورت تھے۔" حوالہ سابق، ص ۴۷۔ بحث کا عنوان ہے "قرآن قطعی الدلالت ہے"۔ (ادارہ)

☆

© rasailojaraid.com